

خدا کی راہ میں خرچ کرنا
در اصل خرچ کرنا نہیں بلکہ جمع کرنا ہے

ایڈیٹر: عامر عثمانی



تاریکیوں میں ایک چراغ

1/50

سالانہ
15/-

تختی

ماہنامہ

دیوبند

تیسویں سال کا چوتھا شمارہ

ایڈیٹر عامر عثمانی

اس دائرے میں
سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس
پرچے پر آپ کی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے
سالانہ قیمت کھجیں باو می پی کی اجازت دیں۔ آئندہ
خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی
کی صورت میں اگلا پرچہ وہی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول
کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہو گا ورنہ پی ساڑھیں سو لہ روپے
کا ہو گا۔ منی آرڈر بھیج کر آپ وہی پی خرچ سے بچ
جائیں گے

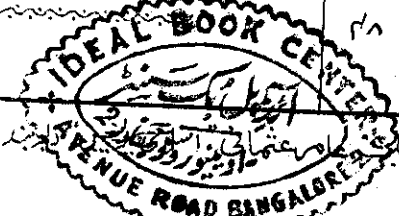
پرنٹنگ پریس

امریکہ - ناٹجیویا - کنیڈا - انگلینڈ - فرانس - بوسنیہ - انڈونیشیا اور ملیشیا
سے بذریعہ بحری ڈاک ڈیوبند - بذریعہ ہوائی ڈاک ڈیوبند - بحرین - (فوقہ - سعودی
عرب - قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ اور دس شلنگ - بذریعہ ہوائی ڈاک تین پونڈ
▲ پاکستان سے فی الحال کچھ نہیں ▲ ہندوستان سے پندرہ روپے -

فہرست مضامین ماہ جون ۱۹۷۱ء

۵۱	عامر عثمانی	عجا اسلامی اور صوفی نذیر احمد	۴	ادارہ	اجل واقعی
۵۷	ترجمہ - مصطفیٰ اسلم	دو غلام	۵	عامر عثمانی	آغاز سخن
۶۰	ملا ابن العربی	تقدیر بچی خاں کی گرفتاری کا	۱۵	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	تفسیر القرآن
۶۷	دشاہ عبدالقادر جیلانی	علم و حکمت کے موتی	۱۹	عامر عثمانی	شرح صحیح مسلم
۶۹	ملا ابن العربی	مسجد سے میخانہ تک	۲۵	مولانا مودودی	درس حدیث
۸۳	عامر عثمانی	کھرے کھوٹے	۳۷	شمس نوید عثمانی	کیا ہم مسلمان ہیں
۹۵	ماہر القادری	دیکھ رہا ہوں (نظم)	۴۱	مریم جمیلہ	پہنان تراشی کی ہم
۹۶	مختلف شعراء	حمد و غزل	۴۳	مترجم شمس نوید عثمانی	مریم جمیلہ اور مولانا مودودی
			۴۸	(ایشیا)	مولانا مودودی کی مجلس

ط ۷۵ روپیہ
ڈیر ۷۵ روپیہ



سالانہ پندرہ روپے

احوالِ اقصیٰ

نالائقوں اور شرارتوں کے ساتھ ہم سب کے سروں پر مسلط رہے۔

زیادہ قارئین کی رائے یہ ہے کہ ملا کے جاری افسانے کا نمبر ہی نکال دیا جائے لیکن دشواری اس میں ری نظر آرہی ہے کہ اس افسانے کی کئی قسطیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ اب بقیہ حصہ کو نمبر کی شکل میں چھاپا جائے تو یہ نمبر اپنی جگہ اظہور رہے گا اور نئے قارئین شکل میں پڑھ سکیں گے۔ لہذا نمبر کا معاملہ کسی اور وقت کیلئے چھوڑ کر روش یہ اختیار کی جا رہی ہے کہ جب تک یہ طویل کہانی قسطوں میں پوری ہو گا اس کا ایک اور مضمون بھی شامل اشاعت کیا جاتا رہے۔ چنانچہ اس بار قصہ سبھی خاں کی گرفتاری کا "پیش خدمت ہے۔ ہم یقین ہے یہ مضمون اپنی معنوی لطافتوں کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل سمجھا جائے گا۔ کاش ملا میں کچھ عقل ہوتی تو وہ کچھ زیادہ ڈھنگ کی چیزیں لکھا کرتا مگر اس گدھے کا کہنا یہ ہے کہ جو ٹھوڑی سی عقل اس کے کاسہ سر میں موجود تھی وہ بھی روز افزوں گرائی کی مار سے ایک ٹن بومبہ کے اوسط سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کھوپڑی میں ہی خلاء کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔ اب بتائیے۔ ان واہی باتوں پر کون اس کا سر پھوڑے۔

سینکڑوں کو شاید پریشانی ہوگی کہ پیران کلیر کے سلسلے میں وہ اٹھلی بار ایک نظم لارہا ہے۔ ارادہ تو اس کا مضمون ہی لانے کا تھا کیونکہ کلیر کا عرس ابھی ہی میں ہی ہو چکا ہے مگر ہم نے ڈانٹ کر اسے روکا۔ رک تو گیا مگر اس شرط پر کہ مضمون نہیں تو نظم لکھوں گا۔ آخر کیوں لکھو گے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتا ہے کہ جذبات سینے میں بھر گئے ہیں۔ اگر خارج نہ کئے گئے تو سینہ پھٹ جائے گا۔ ایسی بہودہ منطق سے کون سہارا دے۔ نتیجہ یہ کہ اگلے شمارے میں آپ کو اس کی نظم "زنان عاشقان اولیاء" ہضم کرنی پڑے گی۔ تہن تبر جان قارئین!

مشورہ طلب امور کے جواب میں جن مشوروں سے بے شمار قارئین نے ادارے کو نوازا ان کے لئے ہم ان شکر گزار ہیں۔ اور مسرت اور فخر کی بات یہ ہے کہ نواز فی صد حضرات نے صفحات اور قیمت کے اضافے کو اپنے دل کی آواز قرار دیا اور انھیں اصرار ہے کہ زیادہ سے زیادہ مواد پیش کرنے کے سلسلے میں ادارہ اپنے جو صلے ضرور نکالے خواہ قیمت میں کتنا ہی اضافہ کرنا پڑے۔ انھیں فلاحی لٹریچر ہم ان کی خواہش کے احترام اور اپنے تہذیبی جذبہ خدمت کے پیش نظر اسی ماہ سے مستقل صفحات ۹۶ کئے دے رہے ہیں اور سالانہ چندہ پندرہ روپے تجویز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے۔ "مسجد سے میخانے تک" کے بارے میں مشوروں کی نوعیت تادم تحریر ایسی نہیں کہ قطعیت کے ساتھ کوئی فیصلہ کیا جاسکے۔ اتنا تو بہر حال معلوم ہوا کہ ملا کی کونجلی کے صفحات میں دیکھنا تقریباً تمام ہی قارئین ضروری خیال کرتے ہیں۔ ویسے کچھ افراد کی رائے یہ بھی ہے کہ کجلی جیسے دینی و علمی پرچے کے لئے ملا کی غیر ثقہ تحریریں باعث ننگ ہیں۔

خیال اپنا اپنا نظر اپنی اپنی اگر ایسی رائے رکھنے والوں کا اوسط ایک فیصد بھی ہوتا تو ہم ملا کی معزولی کے امکانات پر غور کر سکتے تھے مگر اوسط ایک بنیادس فیصد بھی نہیں لہذا جمہوریت کے موجودہ دور میں اس رائے کو قابل التفات تصور کرنا مشکل ہی ہے۔ ویسے ملا کا فن اگر صرف مزاح برائے مزاح یا طنز برائے طنز کا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ اس کی چھٹی پر غور کیا جاسکتا لیکن جو فادیت اور مقصدیت اس کے فن میں ہمیشہ جاری و ساری رہی ہے وہ بے قیمت نہیں۔ اس کی ناقدی ایک نعمت خداوندی کی ناقدی ہوگی لہذا تقدیر کا فیصلہ یہی ماننا پڑے گا کہ ملا اپنی تمام

بہن منور مادیوان نے کیا کہا

مولوی استعدیایا نے پھول برسائے

انفار سنخند

کے منظوم عوام کے لئے ہمدردی دکھانے سے ہی ان پر اس وقت سکتے اور غنودگی کیوں طاری رہتی ہے جب اپنے ملک میں ہونے والے خوف و ارادہ فسادات میں اقلیتی عوام یعنی مسلمانوں کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس وقت انسانیت کے یہ سحاری ان حرکتوں پر محض گھنڈ ہی نہیں کرتے بلکہ اسے جائز بھی کہتے ہیں اگر ہمارے ملک کی یہ مخالف جماعتیں صرف انسانیت کے نام اور جذبے سے سرشار ہو کر ہنگامہ دیش کے لئے اتنی ہمدردی کا اظہار کر رہی ہیں تو واقعی یہ خیالات قابل تعریف ہیں لیکن کائنات انسانیت کے یہ پتے اپنے ملک میں بھی انسانی تدریوں کا اتنا ہی خیال کرتے۔

یہ سطور کسی تبصرے کی محتاج نہیں شاید یہی سطور خاص طور پر اس کی محرک بنی ہیں کہ مسلمانوں کے متعدد جزیرہ داروں نے ان کا مضمون شوق سے نقل کیا۔ ہم بھی

ہمارے دہلیں میں جہاں ایسے صحافیوں کی کثرت ہے جو واقعات و حقائق کو اپنی خاص عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں وہاں ایسے صحافی بھی نایاب نہیں جن کا مشاہدہ کسی نہ کسی حد تک بے لاگ کہا جاسکتا ہے۔

صحافیوں کی اس دوسری قسم میں ایک خاتون صحافی ہنس مادیوان میں جن کے متعدد مضامین پچھلے چند مہینوں میں نظر سے گزرے اور ان کے مطالعہ نے یہ تاثر دیا کہ منور مادیوان کا نہ صرف زاویہ نظر بڑا عنایت ہے بلکہ ان میں یہ اخلاقی جرأت بھی ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اسے صحافتی کے ساتھ کہیں۔

اس کا ایک نمونہ ذیل کے اقتباس میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ اقتباس ان کے ایک مضمون سے لیا گیا ہے جس کا عنوان تھا: ”ہنگامہ دیش۔ ایک سبق۔ ایک چیلنج“۔ یہ مضمون ماہ اپریل ۱۹۶۲ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ وہ لکھتی ہیں:-

”آج جو لوگ اتنے جوش کے ساتھ مشرقی پاکستان

کا محض نام اور خالی نعرہ واقعہً اس کا اہل نہیں کہ کسی ملک کو اتحاد کی نعمت سے سہرازا کر سکے اور بھانت بھانت کے رجحانات، تعصبات، مزعومات اور ادعا عیات کو اتفاق کے مضبوط دھانگے میں پرو سکے۔ اگر ہم یہ سمجھتے کہ منور مادیوں نے اسی مفہوم میں یہ بات کہی ہے جس میں ہم کہہ رہے ہیں اور ان کا منشا مذہب کی تاثیر سے انکار نہیں بلکہ مذہب کا فقط نام استعمال کرنے کو وہ لاحقہ قرار دے رہے ہیں تو سو اے تائید کے ہمارے لئے کوئی چارہ نہ تھا لیکن ان کے کلام کا بین السطور بتا رہا ہے کہ ان کا منشا یہ نہیں ہے بلکہ ٹھیک وہی بات کہہ رہی ہیں جو دوسرے بہت سے لوگ ان الفاظ میں کہتے ہیں کہ مذہب افراد کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں یہ اہلیت نہیں ہے کہ اجتماعی زندگی کے لئے سیاسی بنیاد نسرا ہم کر سکے اور اسے مرکز و محور بنا کر کوئی مضبوط اور منصفانہ نظام حکمرانی بہ پایا گیا جاسکے۔

جو مفہوم ان الفاظ کا ہے ضروری نہیں کہ اسے ہمیشہ اٹھنی لفظوں میں بیان کیا جاتا رہا ہو۔ الفاظ ہر ایک نے اپنے اپنے استعمال کے نگر ذہن اس ڈھنگ سے سوچنے والوں کا۔ خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، یہی رہا ہے کہ مذہب کو صرف ایک نجی معاملہ نہ سمجھو جو چند رسمی عبادات تک محدود رہے اور اجتماعی زندگی کا ڈھکی اس سے بے تعلق ہو کر چلاؤ۔ افراد کی وفاداری کو مرکز نہ کرنے کے لئے وطن پرستی یا قوم پرستی یا اور کوئی نقطہ جاذبہ تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر مذہب کو اس کام میں لانے کی کوشش حماقت ہے۔ تنگ نظری ہے۔ رجعت پرستی ہے۔ سٹراٹگیٹری ہے۔ جب سے مادہ پرستانہ ذہن کو سائنسی علوم کے توسط سے پوری دنیا پر چھا جانے اور غالب آجانے کا موقع نصیب ہوا ہے مذہب کے خلاف پروپیگنڈہ اور بھی تیز ہو گیا ہے اور یہ خیال ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت سے پھیلنا جا رہا ہے کہ مذہب اور سیاست کا کوئی جائزہ رشتہ نہیں۔ وہ ایک دوسرے

ان سطور کو صاف گوئی کا ایک اچھا نمونہ تصور کرتے ہیں جن کے پیچھے طرز فکر بھی صحت مند اور منطقی ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ موصوفہ کے پورے مضمون میں کچھ اجزاء ایسے بھی ہیں جنہیں نقد و نظر کا موضوع بنایا جاسکتا ہے اور اسی خیال کے اقتضار پر ہم ان اجزاء کی نشاندہی کر کے فریضہ نقد ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ موصوفہ تک اگر ہماری آواز پہنچ جائے تو وہ بھی ہماری معروضات پر غور فرمائیں اور اگر ان تک آواز نہ پہنچے تو کم سے کم ان حضرات تک تو پہنچ ہی جائے جنہوں نے ان کے مضمون کو شوق و ذوق سے پڑھا ہے۔

موصوفہ فرماتی ہیں:-

”پاکستان کی حالیہ کشمکش سے ہندوستان کی فرتہ پرست جماعتوں کو بہت کچھ سبق سیکھنا چاہیے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ مذہب کے نام پر کسی ملک کو اتحاد کے دھانگے میں پرو دینا ایک خیال خام ہے اور یہ نعرہ بے کار ثابت ہو کر رہ گیا ہے۔ پاکستان کی حالیہ گڑبگڑ دو علاقوں کے درمیان نہیں بلکہ فوجی حکومت اور مشرقی پاکستان کے عوام کے درمیان ہے۔ اسکے علاوہ یہ بات بھی بے حد اہم ہے کہ مغربی پاکستان میں جماعت اسلامی اور حبیبتہ علمائے پاکستان جیسی دائیں بازو کی پارٹیاں آدو کو سنل مسلم لیگ کے شیخ مجیب الرحمن کی حمایت کی ہے۔“

انھوں نے جنرل یحییٰ خاں سے بیسلاہ لیا کہ کیا تھا کہ وہ شیخ مجیب الرحمن سے کوئی سمجھوتہ کر لیں اگر مذہب ہی پورے ملک کو اتحاد کے دھانگے میں پروانے کی بڑی کڑی ہوتا تو شاید مشرقی پاکستان میں آزادی کی سحر یک اتنا زور نہ پکڑتی۔“

جہاں تک اپنی سطور میں کہی ہوئی بات کا تعلق ہے وہ اپنی سطحی مفہوم میں بالکل درست ہے۔ مذہب

یہ عجیب بات ہے کہ اسلام کی ناکامی کا فیصلہ دینے والے دیانت راری اور حقیقت پسندی کے ساتھ یہ جائزہ لینے کی زحمت کبھی نہیں اٹھاتے کہ اسلام کو کارفرمائی کا موقعہ ملا کس حد تک۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی اعلیٰ درجے کے نسخے کو ناکام قرار دیا جائے اور یہ بالکل نہ دیکھا جائے کہ نسخہ مریض کو پلایا بھی گیا ہے یا وہ محض سزا رکھا رہا۔

بات چوں کہ پاکستان کی چل رہی ہے اس لئے اسی کی حد تک ہم محترمہ منور مادیوں سے عرض کریں گے کہ ایک نگاہ غور پاکستان کی ۲۳ سالہ اجتماعی زندگی اور حکمران طبقوں کے کردار پر ڈال کر دیکھیں اور اندازہ کریں کہ ان ۲۳ سالوں میں اسلام کے ساتھ وہاں کیا سلوک ہوا ہے کوئی پودا کس حد تک بار آور ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کا صحیح فیصلہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب اسکے پھلنے پھولنے کی تمام مثبت اور منفی کوششیں کر کے دیکھ لی جائیں۔ اگر روش یہ اختیار کی جائے کہ صرف زبانوں پر اس پودے کا نام رہے مگر نہ تو کھاد نہ سہاگم کی جائے نہ دھوپ اور سائے کا مناسب انتظام ہو۔ نہ آبیاری کی طرف توجہ دی جائے۔ نہ آندھیوں اور اولوں کی حفاظت کا اہتمام ہو۔ بلکہ ارد گرد بے شمار ایسے اسباب اور اثرات جمع کر دیئے جائیں جو اس پودے کے لئے مضر ہوں، ریت کے ڈھیر اسے دبا کر رکھ دیں۔ کیڑے مکوڑے اس کی شاخ شاخ چاٹ جائیں۔ گرمی اور پیاس اس کی جڑوں کو سکھا ڈالیں۔ تو آخر یہ فیصلہ دینا کیسے معقول اور منجی برانصاف قرار پاسکتا ہے کہ اس پودے میں بار آور ہی کی صلاحیت نہیں۔ یہ سایہ دار درخت بننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

پاکستان کے معاشرے کا ایچ ایچ ٹیپ جائیے۔ بالشت بھر جگہ ایسی نہیں ملے گی جہاں اسلام دشمن نظریات کی چھاپ نہ ہو۔ جہاں خدایا رسیا سرت کے جسہ ریم کلیلیں نہ کمر رہے ہوں۔ اسلام جادو نہیں تھا کہ زبان سے اس کی تسبیح رٹی اور آسمان سے اس کے اثرات و ثمرات

سے متبادم۔ یا کم سے کم مختلف چیزیں ہیں جنہیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر چلنا چاہئے اور الگ چلتے ہوئے بھی ان دونوں کی قدر و قیمت، حقوق اور حیثیات یکساں نہیں، بلکہ سیاست کو نمایاں برتری حاصل ہے اور اسی برتری کی بنا پر وہ حقدار ہے کہ جب ضرورت سمجھے مذہب کے دواٹر میں داخل ہو کر من مانے تصرفات کرے اور مذہب کو چون و چرا کا بالکل حق نہ دے۔ مذہب گویا تابع ہے اور سیاست امام۔ مذہب کا درجہ ثانوی ہے اور سیاسی مصالحت درجہ اول پر فائز نہیں۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ منور مادیوں نے اجمالاً جن عقائد کو "فرقہ پرست" کہا ہے ان میں "جماعت اسلامی" شامل ہے یا نہیں۔ جو بھی صورت ہو سہارا آج کا موضوع کوئی خاص جماعت نہیں ہے بلکہ نفس مذہب کو بھی ہم صرف "اسلام" کے معنی میں لے رہے ہیں کیونکہ جہاں تک ہمیں علم ہے دوسرا کوئی بھی مذہب ایسی آسانی تعلیمات اپنے دامن نہیں رکھتا جو زندگی کے تمام اجتماعی و انفرادی شعبوں پر حاوی ہوں، جن کے ذریعے جہد و عمل اور فنکرو نظر کے ہر میدان میں ہدایات حاصل ہو سکیں۔ جو انسان سے مکمل اور ہمہ جہتی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہوں اور جن کی حیثیت ایک مربوط، منضبط اور جامع و مانع دستور حیات کی ہو۔

جب صورت حال یہ ہے تو اسلام کے سوا کسی مذہب کی طرف سے اس چیلنج کا جواب دینا ممکن نہیں جسکی صدمے بازگشت منور مادیوں کی مذکورہ بالا عبارت کے میں اسطو میں گونج رہی ہے۔ اور ہم یقینی طور پر اس پوزیشن میں ہیں کہ اسلام کی طرف سے اس کا جواب دیں۔ لیکن یہ چیلنج پروپیگنڈے کی سطح پر محض ایک للکار ہے نجل۔ ایک دعوہ ہے بے دلیل۔ ایک نعرہ ہے متفکر سے تہی دامن۔ ایک شور ہے بے معنی۔ مجبوراً ہم جواب بھی جمل ہی دیں گے۔

ہوتے ہیں۔

مگر پاکستانی حکمرانوں نے اپنی ساری صلاحیتیں معکوس
حد و جہد میں کھپا دیں اور نتیجہ سامنے ہے کہ بھائی کو بھائی
پھاڑے کھا رہا ہے۔ مسلمان کو مسلمان مارے ڈال رہا ہے۔
یہ الاصل اسلام کی ناکامی نہیں علامتہ پرستی، نسل پرستی اور
مفاد پرستی کے خبیث جذبوں کے طبعی ثمرات ہیں۔ منور ما
دیوان سوچیں کہ مذہب کی بنیاد پر اتحاد کا حصول اگر
خیال خام ہے تو دوسری کونسی بنیاد ہے جو مشرقی پاکستان
کو مغربی پاکستان سے بائیں کوسنہا یا کر اچھ کو برحدی
صوبوں سے جوڑے رکھ سکتی ہے۔ ثقافت، لہجہ، رسم و رواج
طباع، میلانات، روایات اور فکری زاویے ہر علاقے
کے الگ۔ اسلام کے سوا کوئی بھی قدر مشترک ایسی نہیں جو
ہر صوبے کو ایک مستقل اسٹیٹ بننے سے روکے۔ جغرافی
خطوط آدمی ہی کھینچتا ہے۔ کل تک لاہور اور دہلی کے درمیان
کوئی دیوار نہ تھی۔ آج انسان ہی کے کھینچے ہوئے نئے نقشوں
نے انھیں دو ملک بنا دیا ہے۔ پھر کیا مذہب کو نظر انداز
کر کے ڈنڈے کے سوا بھی کوئی چیز رہ جاتی ہے جو مختلف
صوبوں کو تو درکنار مختلف شہروں اور قصبوں ہی کو ایک دوسرے
سے جوڑے رکھے۔ آزادی و خود مختاری جن معنوں میں مشرقی
پاکستان والوں نے طلب کی ہے ان معنوں میں ایک معمولی
شہر اور قصبہ بھی آزادی و خود مختاری کا مطالبہ کر سکتا ہے
جب کہ مذہب اور اس کے فرامین اجتماعی زندگی اور سیاست
سے بے دخل کر دیئے جائیں۔

پاکستان کی جماعت اسلامی، جمعیتہ علماء اور کونسل
مسلم لیگ کے شیخ حمید الرحمن کی حمایت کی۔ یہ ایک
مغالطہ انگیز دعویٰ ہے جسے مناسبت و وضاحت کے بغیر
پیش کرنا غلط نتائج تک لے جا سکتا ہے۔ ان جماعتوں نے
یہ ضرور خواہش کی کہ صدر سبھی قومی اسمبلی بلائیں اور حمید
الرحمن کی پارٹی انتخاب میں سب سے بڑھ کر کامیابی حاصل
کرنے والی پارٹی کی حیثیت سے اس میں شریک ہوں انھوں نے

کی بارش ہونے لگی۔ زمین سے اس کی منفعتیں اور برکتیں
فواروں کی طرح اُبلنے لگیں۔ اسلام کوئی ایسا نسخہ شفا بھی نہ
تھا کہ ملک کے معدودے چند افراد اسے گھول کر پی
جائیں اور سارا ملک شفا سے ہمکنار ہوتا چلا جائے۔
اسلام ایک نظامِ زندگی ہے۔ ریاضت اور جفا کشی
کا طالب۔ ایثار اور ضبط نفس کا تقاضی۔ لگن اور
جدوجہد کو لازماً زندگی قرار دینے والا۔ حرام اور حلال
کی اہل سرحدیں قائم کرنے والا۔ وہ اپنے حلقہ بگوشوں سے
کامل وفاداری اور کلی اطاعت طلب کرتا ہے۔ اگر
پاکستانی مسلمانوں نے ان قیود و شرائط کو پورا کیا ہوتا اور
پتھر بھی انھیں اتحاد کی نعمت حاصل نہ ہوتی تب یہ رہا رک
معقول قسرا دیا جا سکتا تھا کہ مذہب کو ذریعہ اتحاد بنا نا
خیال خام ہے۔ لیکن اگر ان قیود و شرائط کی پاسداری تو
درکنار ان کے بالکل برعکس طوطہ پرین اور کھیر خولنا اسلام
افترا و افکار کو سینے سے لگا لیا گیا تو تصور صرف مسلمانوں
کا ٹھیرے کمانہ کہ اسلام کا۔ ناکام وہ لوگ قرار پائیں گے
جنہوں نے اسلام کا نام صرف مطلب برآری کے لئے لیا۔ اسے
آلہ کار بنا کر رکھا۔ اس کے پیروں میں اپنی مرضی کی بیڑیاں
ڈالیں اور مسندِ اقتدار دینے کے عوض اسے ٹھیک اس شاہین کا
مقاوم دیا جو محض شکار کے وقت آزاد کیا جاتا ہے اور پھر اسے
اس کے پتھرے میں بند کر دیا جاتا ہے۔

جتنی اٹھک جدوجہد مختلف ممالک میں قوم پرستی اور
وطن پرستی اور نسل پرستی کے نشوونما میں کی جا رہی ہے اس سے
آدھی خوش بھی اگر پاکستان میں اسلامی اقدار کو فروغ
دینے اور اسلامی معاشرت کی زلفیں سنوارنے میں کی جاتی
تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نتائج حیرت انگیز نکلتے۔
دنیا سمر کی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ قوم و وطن کی پرستش
کے علاقائی نظریوں کے مقابلے میں خدا پرستی کا آفاقی
نظر یہ بار آور کی کتنی زبردست استعداد رکھتا ہے اور
اس کے پھل پھول اخلاقی حسن رکھنے والوں کے لئے کتنے خوش

"اگر مذہب ہی پورے ملک کو اتحاد کے دھاکے میں پردے کی بڑی کڑی ہوتا تو شاید مشرقی پاکستان میں آزادی کی تحریک اتنا زور نہ پکڑتی۔"

دونوں باتوں میں کیا ربط ہے؟ اسلام کی نمائندگی کرنے والی جماعتوں نے اگر کسی سطح پر شیخ مجیب کی حمایت کی تھی تو اس سے وہ نتیجہ کیسے نکلا جسے موصوفہ نے حوالہ قلم کیا ہے۔

ایک بات اور بھی تنقیح طلب ہے۔ بغاوت اور تحریک آزادی میں آخر کیا فرق ہے؟ یہ سوال جب تک علمی اور آئینی سطح پر حل نہ ہو مشرقی پاکستان کی تحریک کو کسی خاص صفت سے منصف کرنا قبل از وقت ہو گا۔ "آزادی" بجائے خود ایک "گول" اصطلاح ہے۔ علمی زبان میں اسے ایک اضافی شے کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً امریکہ میں آزادی کی دو معنیوں اور وہیں اور روس میں اور۔ خود ہمارے یہاں ان دونوں سے مختلف۔ امریکہ میں بلیں اور ڈالخانے اور ہوائی جہاز بھی عوام ہی چلاتے ہیں نہ کہ حکومت لیکن اپنے یہاں ہم اس آزادی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ امریکہ میں عوام بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ دیت نام میں حکومت کا لڑنا قابل مذمت ہے۔ فوجیں واپس بلاؤ۔ خون ریزی بند کرو۔ اس کہنے پر حکومت طوق و سلاسل اور توپ و تفنگ لے کر نہیں دوڑتی۔ مقدمے نہیں چلاتی۔ مگر دوسرے بہت سے ملکوں میں جہاں جمہوریت ہی کے پھر برے اُڑ رہے ہیں ایسی آزادی کو غداری اور تخریب کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کا جو موقف ہے اسے تحریک آزادی قرار دینے سے پہلے لفظ آزادی کا ایک معنی مصداق اور حدود اور بقہ واضح کرنا ہو گا۔ یہ بتانا ہو گا کہ غلامی کی تعریف کیا ہے کیونکہ ہر شے اپنی ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ مجیب اور ان کے حامی اگر مجاہدین آزادی ہیں تو معلوم ہوا کہ

یہ ضرور چاہا کہ شیخ مجیب سے معقولیت اور جمہوری اسپرٹ کے ساتھ معاملات طے کئے جائیں اور خون خرابے کی نوبت نہ آئے۔ لیکن اس طرز عمل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انھوں نے اس طرز فکر اور مشن کی بھی حمایت کی جس کا علاقائی نام "شیخ مجیب الرحمن" پڑ گیا ہے۔ شیخ اپنے مشہور چھ نکات کے باوجود ابتداً یہ اظہار ہرگز نہیں کرتے تھے کہ وہ "بنگلہ دیش" کے نام پر ایک خود مختار اسٹیٹ بنانا چاہتے ہیں۔ نہ ان کا یہ موقف تھا کہ مغربی پاکستان الگ ایک ملک اور بنگلہ دیش الگ ایک ملک۔ اسی لئے متذکرہ جماعتیں اس توقع میں حتی بجانب تھیں کہ انہما و تقہیم کے ذریعے چھ نکات کا ایسا بھی مصداق برآمد کیا جاسکتا ہے کہ ملک کی سالمیت پارہ پارہ نہ ہو اور مشرقی پاکستان والوں کو مناسب جمہوری حقوق بھی مل جائیں۔ لیکن جس مرحلے میں اس توقع کا خاتمہ ہو گیا اور شیخ مجیب اپنے چھ نکات کو مکمل آزادی و خود مختاری کے مرادف قرار دینے پر آمادہ نظر آئے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پاکستان کی کوئی بھی جماعت ان سے اتفاق کرتی اور جمہوریت کے نام سے پاکستان کو دویم ہو جانے دیتی۔ شیخ مجیب کے مشن کو ناکام بنانے میں صدر یحییٰ نے جن حربوں سے کام لیا ان سے یہاں بحث نہیں۔ ان کی فوجی کارروائیاں جس درجے میں ظلم و بربریت کے دائرے میں آتی ہوں اسی درجے میں اسلام ان سے بری الذمہ ہے۔ اسلام کی کتاب الجہاد اور کتاب البغی وغیرہ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ وہاں اس کی ہرگز اجازت نہیں کہ عورتوں بچوں اور غیر متعلق شہریوں کو نشانہ بنایا جائے۔ یہی خاں کے عساکر نے اگر ایسا کیا ہے تو اپنی ذمہ داری پر کیا ہے اسلام کا قانون ان کا دم چھٹکے نہیں بنے گا۔

بہر حال متذکرہ پارٹیوں کی حمایت کا حدود اربعہ ہم نے واضح کر دیا۔ مگر ان پارٹیوں کی حمایت کا ذکر کرنے کے بعد متذکرہ پارٹیوں کا یہ کہنا ہمارا سمجھ میں نہیں آیا کہ۔

کانگریس کو چھوڑ دیتے۔ خود منور مادیوں کیساتھ تو لے کے دو مختلف باغ استعمال نہیں کر رہی ہیں جب کہ وہ بغیر کسی تکلف اور تامل کے برنگلہ دیش والوں کی سرگرمیوں کو آزادی کی جدوجہد کہتی ہیں۔ اگر حقیقی اور مصنوعی شکایات کی بنیاد پر حد سے متجاوز خود مختاری اور آزادی کا مطالبہ تحریک آزادی کے مراد ہے تو پھر تامل ناڈیا کشمیر یا کسی بھی ہندوستانی علاقے کے اسی طرز عمل کو تحریک کاری، علیحدگی پسندی، ملک دشمنی اور غداری کی دلیل سے کہا جاسکتا ہے اسے بھی جہادِ حریت کہتے۔ تحریک آزادی فرار دیجئے۔

واقعہ یہ ہے کہ انصاف بہت مشکل ہے۔ دل و دماغ کو جانبداریوں سے بچا کر لے جانا بڑا دشوار ہے۔ اس کڑے امتحان میں صرف وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو روح و ضمیر کی پوری گہرائیوں کے ساتھ قرآن کے اس حکم کو مشعل راہ بنائیں کہ اسے لوگوں کی گواہی دو چاہے یہ تمھارے عزیز و اقربا، تمھارے ماں باپ اور تمھارے اپنے ہی نفس کے خلاف کیوں نہ پڑے۔ صَدَقَ اللهُ مَوْلَانَا نَعْتَمِيْ-

مولوی اسعد میاں نے پھول برساتے!

ہمارے سامنے ایک ہی واقعے سے متعلق متعدد خطوط ہیں جن میں ایک خط ”چیمپارن ضلع مسلم لیگ کے صدر صاحب کا بھی ہے جو باقاعدہ مطبوعہ لٹریچر پیڈر ہے اور اس پر فتر کی قہر بھی ہے۔

ان خطوط میں یہ بتایا گیا ہے کہ جمعیت علماء ہند کے ناظم عمومی مولوی اسعد میاں صاحب کے تینا میں ۲۰ اپریل ۱۹۷۷ء کو جلسہ عام میں مندرجہ ذیل باتیں فرمائیں :-

(۱) جو جماعت یہ کہتی ہے کہ انڈیا اسٹیٹ اور حکومت اہمیت قائم کرنے کے لئے آتے ہیں وہ جھوٹی اور بے ایمان ہے۔

(۲) ایسے ناخلف، ناہمزاد مسلمان یہاں رہ گئے ہیں جو مجھے پاس آکر کہتے ہیں کہ ہائے ہائے ہم مر گئے مولانا اب

تخلیق پاکستان سے اب تک وہ غلام رہے ہیں۔ صرف مظالم ہونے کا نام غلامی نہیں۔ یہ شرکائیت کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا بارہا باپ بیٹوں کے درمیان بھی دیکھی جاتی ہے۔ مگر اسے غلامی تو نہیں۔ اگر تحریک آزادی کا عنوان اتنا ہی سستا اور بے قیمت ہے کہ جہاں چاہے چسپان کر دیا جائے تو پھر اپنے ہی دیس میں کھن کھن کھن کیوں کو اس عنوان سے مشرف کرنا آسان نہ ہو جائے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ منور مادیوں نے اپنی وسیع نظری اور انصاف پسندی کے باوجود سطحی نعروں اور سپر فریب اصطلاحوں سے دھوکا کھایا اور ”مذہب“ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ان کا ذہنی رویہ عامیانا رہا نہ کہ محققانہ اور مفکرانہ۔

جن سنگھ جیسی پارٹیوں کی دورنگی پالیسی پر گرفت کرتے ہوئے موصوفہ نے ٹھیک کہا کہ :-

”جب ہندوستان میں ہندی مخالف تحریک چلتی ہے تو یہ اسے علیحدگی پسندی اور غداری سے تعبیر کرتے ہیں لیکن پاکستان میں جب قومی زبان کی مخالفت ہوتی ہے تو اسے لے کر بیچارہ خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔“

لیکن کیا کانگریس کا اندازہ فکر اور فعل و عمل ایسی ہی دورنگی سے آلودہ نہیں ہے۔ کیا شیخ مجیب کے مطالبات کو برحق ماننے اور برنگلہ دیش کی تحریک کو مقبول اور مطالبات سے نوازنے کا جرم تنہا جن سنگھ نے کیا ہے کانگریس نے نہیں۔ حالانکہ ہی کانگریس اپنے دیس میں اٹھنے والے ان مطالبات کو جو شیخ مجیب کے مطالبات سے بلکہ ہی ہیں، علیحدگی پسندی اور تحریک کاری اور سالمیت دشمنی سے تعبیر کرتی ہے۔ مجیب اس کے نزدیک محترم اور مددگار مگر کردار ناہمی، منہ پوری پد اور شیخ عبداللہ سرزنش کے سزاوار۔

حکومت کو آگے قدم بڑھانا چاہیے۔ اسے پورے عزم اور سچائی سے کہنا چاہیے کہ ملک کی تقسیم ہندو مسلمانوں کی مرضی سے ہوئی مسلمان اقلیت میں تھے۔ اگر صرف وہی تقسیم چاہتے تو اکثریت کے سامنے ان کی کیا جلتی۔ تقسیم ہند زیادہ ہاتھ سوراگہ ٹیٹیل کا تھا۔ پٹنہ نہرو گاندھی جی سب ہی نے انجام سوچ کر تقسیم کے لئے اپنی منظوری دی۔ بھلا مسلمان جو اقلیت میں تھے ان کی بات اکثریت کی طرح مان لیتی۔“

چند سطروں بعد۔
”اکثریت نے کسی وجہ سے تقسیم کو مانا مگر ایشیائی کی بات ہے کہ بعد میں اس کا سارا الزام مسلمانوں پر چیک دیا اور فرطانی طاقتوں کو اس سے غذا ملنے لگی۔“

ہمیں ان تمام سطروں میں صرف ایک بات سے اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ محترم شذرہ نگار نے ”سورگہ ٹیٹیل“ کے الفاظ استعمال کئے۔ سورگہ (جنت) کا تصور برادران وطن میں کیا ہے یہ وہ جانیں۔ آجہانی ٹیٹیل ان کی دانست میں سورگہ کے مستحق ہیں اس سے بھی ہمیں بحث نہیں۔ لیکن کسی مسلمان کے لئے یہ کس طرح جائز ہے کہ وہ ایک جانے پہچانے غیر مسلم کو ”جنت مکانی“ لکھے۔ سورگہ اور جنت مکانی ایک ہی مفہوم کے دو قالب ہیں۔ ہمارا خیال ہے محترم شذرہ نگار کے قلم سے بے خیالی میں یہ لغزش ہو گئی ہے اور اس بے خیالی کی نفسیاتی بنیاد اس نفاق پر درمحل میں ہے جس میں وہ جبر حالات کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔

خیر۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ملاحظہ فرمائیے کہ جمعیتہ علماء ہند کا سرکاری آرگن کیا کہہ رہا ہے اور جمعیتہ کے ناظم عمر می صاحب نے چودہ دن قبل کیا فرمایا ہے۔ منقولہ ارشادات کی شق نمبر ۳ میں ناظم صاحب نے جو کچھ

کہا کیا کریں۔ میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ زہر کھالو، مر جاؤ، سنبھالیو۔
(۳) مسلم لیگ نے ملک کا ٹیوارہ کر لیا ہے اور لاکھوں مسلمانوں کو کٹوا رہا ہے۔ خدا کے لئے مسلم لیگ کو فروغ دے کر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل خطر میں نہ ڈالئے۔

(۴) فسادات میں لاکھ دو لاکھ مسلمان گٹ ہی جاتیں اس سے کیا۔ مسلمانوں کی آبادی ملک میں بڑھ رہی ہے، مایوس نہ ہونا چاہیے۔

اسعد صاحب کے ان فرمودات سے مطلع کرنے والوں نے یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ ہم نے غلط بیانی یا مبالغہ آرائی سرگرم نہیں کی۔ اگر کوئی ہمیں جھوٹا کہے تو ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مولوی اسعد صاحب کی تقریریں ایسی چیز نہیں کہ علم و ادب اور فکر و تحقیق کے رخ سے ان پر سجدہ التفات کیا جائے لیکن اتفاق سے جمعیتہ علماء ہند کے سرکاری آرگن ”الجمعیۃ“ ہی کی ایک قریبی اشاعت میں چند ادارتی سطروں میں آئی ہیں کہ ان میں بطور آئینہ مولوی اسعد صاحب کے آگے دکھانا چسپ معلوم ہوا اسی لئے یہ چند صفحے کالے کئے جا رہے ہیں۔

۴ مئی ۱۹۷۶ء کے روز نامہ الجمعیۃ کے پہلے شمارے کا عنوان ہے ”اتحاد اور سلیمت کی ضرورت“ اس میں فاضل مدیر رقم طراز ہیں :-

”کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان بنایا۔ سرگرم نہیں۔ مسلمانوں کا تصور تو آفاقی ہے۔ وہ گوشتہ نشینی کے لئے کوئی خطہ تجویز نہیں کر سکتا۔ وہ مسلمان مسلمان ہی نہیں جو وصل کے بجائے فصل کا نعرہ لگائے اور اتحاد کے بجائے تقسیم کو دعوت دے۔ مگر فرطانی طاقتوں نے مسلمانوں کو غلط الزام دے کر فرقہ واریت کی آگ بھڑکائی ہے۔ اس آگ کو سبز کرنے کی سہلہ

کہا وہ ٹھیک وہی ہے جسے اجمعیۃ کے فاضل مدیر نسطاتی طاقتوں کی الزام تراشی قرار دے رہے ہیں۔ یعنی اسعد صاحب کی نام نہاد وطن پرستی دراصل نسطائیت کا نقاب ہے اور اجمعیۃ کے حق پسند مدیر نے اسی نقاب کو اُلٹ دیا ہے۔ اگر حیا اور عزت نفس کا احساس کوئی چیز ہے تو اسعد صاحب کے لئے وہی راستے ہیں۔ یا تو وہ جمعیت کی نظامت سے خلع حاصل کر لیں یا پھر مدیر اجمعیۃ کو ایڈٹری سے ہٹائیں۔ پہلا راستہ تو وہ قیامت تک اختیار نہ کر سکیں گے کیونکہ سائنس نے ابھی تک عرض جا پرستی کے ازالے کا کوئی انجیلشن ایجاد نہیں کیا۔ لیکن دوسرا راستہ بھی ٹھیک نہیں۔ اجمعیۃ کے موجودہ مدیر اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو روزنامہ اجمعیۃ کو خیر باد باضمیر لوگ شاید ہاتھ بھی لگانا پسند نہ کریں۔

خیر۔ جن حضرات کو ایمانداری کے ساتھ یہ تحقیق کرنا ہو کہ بتوارے کی ذمہ داری کس پر جاتی ہے وہ زیادہ نہیں صرف دو کتابیں پڑھ لیں۔ مولانا آزاد کی "انڈیا دس فریڈم" اور کا جی ڈار کا داس کی "تھری علی جناح"۔ ان سے کافی حد تک پتہ چل جائے گا کہ نظریہ پاکستان سے لے کر تخلیق پاکستان تک اصل کار فرمائی کن اسباب و علل کی رہی اور محمد علی جناح جیل بے لاگ قوم پرست "فرقہ پرست" کیوں بنا۔

اب آئیے شوقِ نمبر پر بھی چند باتیں ہو جائیں۔ اگر کسی شخص کے صاحبِ علم ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ مولویانہ وضع قطع رکھتا ہو اور پیری مریدی کرتا ہو اور بہت سے لوگ اسے حضرت اور مولانا اور قبلاہ وکتبہ کہتے ہیں تو بے شک مولوی اسعد اصحابِ علم میں شمار ہوں گے بلکہ بقول بعض ان سے بڑا عالم آج کی دنیا میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ لیکن اگر صاحبِ علم صرف اسے کہیں گے جس کا کوئی علمی کارنامہ بھی منظرِ عام پر موجود اور تحریر و تقریر میں وہ معروف علمی اسالیب سے کام لیتا ہو تو مولوی اسد کو اہل علم میں شمار

کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی چجر کو گھوڑا یا رولڈ گولڈ کو طلا خاص سونا قرار دینے لگے۔

”جو جماعت“ یعنی جماعت اسلامی انبیاء اور اسٹیٹ اور حکومتِ اہمہ کے بارے میں کیا کہتی ہے یہ سمجھنا اہل علم کا کام ہے اور باپ جیل کا نہیں۔ نہ ان نازک علمی مباحث کو وہ کوتاہ فہم پیرزادے اور سجانے سمجھ سکتے ہیں جو سیاست اقتدار کے ساتھ تصوف طریقت کا جوڑا لگا کر عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس مہارصلت سے فرزندِ اسلام کی ولادت ہو گئی۔

تفنن ہرگز نہ سمجھتے۔ مولوی اسعد دینی قبیل کے جو الفاظ زبان سے نکالتے ہیں ان کی حیثیت ٹریپ ریکارڈ بھی ہے۔ ایک سے ایک نادر تقریر اور نغمہ اور قرآن آپ ٹریپ ریکارڈ سے سن سکتے ہیں مگر ٹریپ ریکارڈ کو ان میں سے کسی بھی چیز کے مضمرات، عواقب اور مطالب کا شعور ہو یہ کوئی انٹاری بھی نہیں کہہ سکتا۔ اب اگر ہم عزیز موصوف کو یہ سمجھانے بیٹھیں کہ جماعت اسلامی حکومتِ اہمہ کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ انبیاء اور اقتدار کے مابین کیا نسبتیں ہیں، قرآن و حدیث نے کیا تعلیمات پیش کی ہیں اور مغلوب الغضب ہو کر کسی (اسلام پسند) جماعت کو بلا بیان اور جھوٹا کہنا کسی بچکانہ حرکت ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہم بے شعور ٹریپ ریکارڈ کو ذوی العقول میں شمار کر رہے ہیں۔ بے شعور مشین پر صاحبِ فہم و شعور ہونے کا دھوکا کھا رہے ہیں۔ بھینس کے آگے مین بجانے کی کہاوت بھی ہماری اس نا سمجھی پر پانی پانی ہو جائے گی کیونکہ بھینس بہر حال کان اور احساس رکھتی ہے مگر ٹریپ ریکارڈ ایسے ہر وصف سے معز ہے۔

یہ بت سمجھنے کہ عزیز موصوف کو ہم ہر معاملے میں غیر ذی شعور قرار دے رہے ہیں۔ تو بہ تو بہ۔ بعض معاملات میں تو وہ عقیل اور دانشور ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو اسمبلی کی ممبری یا والد صاحب کی مسند ارشاد وہ کیسے حاصل کر لیتے۔ اہم نرد فرزد۔ ہم حاسد نہیں بلکہ دعا گو ہیں کہ اللہ انھیں ترقی

حالتوں میں اس قسم کی سرزنش اور گرم گفتاری تادیباً
بھی ہوتی ہے جس کے نیچے محبت اور ہمدردی کے سوا کچھ
نہیں ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ مولوی اسعد صاحب ملک و
ملت کے دشمن نہیں ہیں۔ یہی خواہ ہیں۔ ہمدرد ہیں۔
وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمان برباد ہوں۔ خود کسی کو
تلیں پٹیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ نا بھی اور عدم
تحمل کی بنیاد پر وہ جوش خطابت میں غلط سلف الفاظ بول
چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انھیں عقل سلیم عطا فرمائے اور جماعت
اسلامی کی نامراد دشمنی نے رنگ کی جو تہہ ان کے دل و
دماغ پر چڑھادی ہے اسے دھونے کے لئے اللہ تعالیٰ
آسمان سے ٹہسی کیمیاوی نیش کی بارش فرمادے۔ ہم جیسوں
کی نصیحت تو وہ مان نہیں سکتے۔

ان کے معتقدین یہ خیال نہ فرمائیں کہ ملک و ملت
کی جو خدمات وہ فرماتے رہتے ہیں ان سے ہم آگاہ نہیں۔
الحمد للہ ہم بخوبی آگاہ ہیں اور ہر اس خدمت کی تہہ
دل سے قدر کرتے ہیں جو واقعی خدمت ہو اور اسلامی
نقطہ نظر سے اسے مستحسن کہا جاسکے۔ لیکن اپنے فکر و فہم
کی استعداد اور اپنے علم و تجربہ کی دسترس سے آٹھے بڑھ کر
جب وہ بعض مسائل پر بے نقط انداز میں زبان کھولتے
ہیں تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے کہ ایک اچھا بھلا آدمی کم
عقلی کے کس اندھیرے میں جا پڑا۔ خصوصاً عجمت اسلامی
کے سلسلے میں تو ان کی روش بہت ہی گھٹیا ہے۔ کتنا بڑا
ساجھم اور کتنا چھوٹا سا طرف کیسی کٹور اسی آنکھیں اور
کتنی تنگ نظر! یہ اندوہناک صورت حال کس حساس
آدمی کے لئے باعث کرب نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعصب، نادانانہ اور جہل کرب
سے بچائے۔

دے کر وزیر بھی بناے اور مدارج سلوک میں بھی اور
اوپر اڑائے۔ مگر ہماری دلی خواہش یہ ہے کہ وہ ہر میدان
میں جو کڑیاں بھرنے کی زحمت نہ فرمایا کریں۔ ”مسلم لیگ“
کی حد تک تو حیران نہیں معذور سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ یہی
وہ ”حرفہ“ ہے جس نے غیر تقسیم ہندوستان کے آخری
ایکشن میں جمعیتہ علماء کا خانہ خراب کر دیا تھا۔ یہی وہ بلا
ہے جس نے جمعیتہ علماء کے واحد نمائندگی کے پیدائشی دعو
کو غفل اور کھن کے بغیر ہی زمین میں دبا دیا تھا۔ اس سے
موصوف کو جتنی کد ہو وہ تھوڑی اور اس پر تیراچوں کہ
قوم پرستی کو مضبوط اور مستند بنانے کا کارگر لکھ ہے
اس لئے تجارتی اور سیاسی ہر اعتبار سے اس کے
لئے لینا اور اس پر آنکھیں نکالنا قابل فہم اور فہم بخش۔
لیکن عرب جماعت اسلامی تو نہ سیاسی حرفت
ہے نہ بغلی دشمن۔ وہ کم سے کم بھارت کی حد تک آپ کی
نہ کر سکتی چھنتی ہے نہ خلافت۔ اس کے اخبار ”دعوت“
میں کبھی آپ کا ذکر دشمن کی حیثیت میں نہیں آتا۔ اس سے
کبھی آپ کے ایمان اور صدق گوئی پر یقین نہیں کیا۔
پھر آخر میں آپ کے تعلق سے انبیاء اور اسٹیف
جیسے الفاظ کی معنویت پر بٹہ لگاتے اور سادہ لوحوں پر رنگ
جاتے ہیں۔ کیوں آپ فضول گوئی کہہ کے اہل فہم کو
”چہل سال عمر عزیزت گزشت“ والا شعر یاد دلاتے
ہیں۔ یہ قوم کی خیر خواہی نہیں بلکہ لونڈا پن ہے کہ جن علمی
فکری مباحث کو عوام الناس تو کیا خود آپ نہیں سمجھ
سکتے انھیں پرہیزگینہ سے اور لغزہ بازی کی تسان پر
چڑھائیں۔

مانیں نہ مانیں آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک بار جناب کو سمجھائے جائیگے

جہاں تک دوسری اور چوتھی نکتوں کا تعلق ہے ہم
ان پر کوئی اعتراض اس لئے نہیں کرتے کہ سیاق و سباق
کے تغیر سے ان کا مفہوم و منشا متغیر ہو سکتے ہیں۔ بعض

مولانا آزادی کی چار کتابیں

حقیقۃ الصلوٰۃ نماز اور اس کے متعلقات پر علم و حکمت کے رُخ سے بے نظر گفتگو۔

شائقین کی خدمت میں ہم قدیم الہلال ایجنسی کا شائع کردہ اصل نسخہ ہی پیش کریں گے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

حقیقۃ الزکوٰۃ زکوٰۃ اور اس کے متعلق جملہ تفصیلات کا تحقیقانہ بیان۔ سوڈا، اشکار اور سوئٹزرلینڈ کی محبتیں۔ قیمت — ایک روپیہ۔

ام الکتاب سورۃ فاتحہ کی تفسیر مجلد — آٹھ روپے

مسئلہ خلافت خلافت کے تاریخی و علمی مسئلے پر اہم گفتگو۔ قیمت — پانچ روپے۔

اسلام کیسے ہے؟ مولانا منظور نعمانی کی وہ مشہور کتاب جس میں اسلام کا تفصیلی تعارف اس انداز میں کیا گیا ہے کہ ہر استعداد کا آدمی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (اردو) قیمت — ڈھائی روپے۔

ہندی چار روپے — انگریزی آٹھ روپے۔

دین الہی اور اس کا پس منظر اگلی دور کے فتنوں کا فکر انگیز جائزہ جو ہمیشہ براسعادات کا گنجینہ ہے۔ قیمت مجلد — سات روپے۔

ترکیہ نفس ترکیہ کی اصل اس کے علمی و عملی اقسام، اس کے حصول کی صورتیں، اس کی اہمیت و ضرورت ہر اس شخص کے لئے رہنما جو اپنے نفس کا ترکیہ چاہتا ہے۔ قیمت مجلد — ساڑھے چھ روپے۔

شہدائے بدر کے حضور حالات و رنہ شہداء اے بدر کو الف۔ قیمت — ۶۰ پیسے۔

مسجد سے مہجانی تک

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ملا ابن العربی کی کئی شاخوں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے پڑھنا بھی لطف سے خالی نہیں ان میں نسیم کی چاندنی اور طنز کی نمکینی ہی نہیں فادیت بھی ملا فقط طنز برائے طنز اور مزاح برائے مزاح پر بس نہیں کرتا وہ کسی نہ کسی اخلاقی مقصد پر بھی آپکی توجہ منتطف کرتا ہے۔ حصہ اول، پانچ روپے ۷۵ پیسے۔ حصہ دوم، چھ روپے ۷۵ پیسے۔

اذکار مسنونہ زندگی کی تمام ضرورتوں اور دشواریوں کیلئے مسنون مسیحات و اوراد، مسلمان کے کام کی چیز ہے۔ قیمت مجلد — چار روپے۔

اسلام ایک نظر میں اہم گفتگو، اسلامی مقبول کتاب۔ مجلد ساڑھے تین روپے

تقلید کیسے ہے؟ تقلید کی ضرورت، حدود قیود اور شرعی حیثیت پر لائیکل کی روشنی میں نسلی شخص گفتگو۔ ۵۰ پیسے

آداب نیابت قبور شاہ اسماعیل شہید اور مولانا محمد سلطان کے فرمودات۔ ۵۰ پیسے

ارکان اسلام اسلامی عقائد و فرائض کے مصباح و محاسن عام فہم زبان میں۔ دو روپے۔

فن اسماء الرجال احادیث مقدسہ کو محفوظ کرنے اور صحت و غلط میں تمیز کیلئے محدثین نے

اسما الرجال کا جو فن ایجاد کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس جلیل القدر فن کی تفصیلات جاننے کے لئے یہ کتاب خاص کی چیز ہے۔ قیمت — ایک روپیہ ۷۵ پیسے۔

قرآن حکم آیات کے نسخ پر ایک دلچسپ بحث۔ قیمت مجلد — ڈھائی روپے۔

نواب مراد علی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب تاریخ کے سترے آدمیوں کا مختصر تعارف کرتی ہے۔ دلچسپ اور معلومات سے پر۔ ساڑھے تین روپے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

تفہیم القرآن

المملک (۳) پارہ ۲۹

دہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو تاج کر رکھا ہے، چلو اس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق۔
اسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے، تمہیں زمین

سے یعنی یہ زمین تمہارے لئے آپسے آپ تاج نہیں بن گئی ہے اور وہ رزق بھی جو تم کھا رہے ہو خود بخود یہاں پیدا نہیں ہو گیا ہے بلکہ اللہ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس کو ایسا بنایا ہے کہ یہاں تمہاری زندگی ممکن ہوئی اور یہ عظیم الشان کرمہ ایسا پرسکون بن گیا کہ تم اطمینان سے اس پر چل پھر رہے ہو اور اس میں تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کا بے حد حساب سرو سامان فراہم ہو گیا۔ اگر تم غفلت میں مبتلا نہ ہو اور کچھ ہوش سے کام لے کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو کہ اس زمین کو تمہاری زندگی کے قابل بنانے اور اس کے اندر رزق کے اٹھاؤ نخرانے جمع کر دینے میں کتنی حکمتیں کار فرما ہیں۔ (تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، اہمل، حواشی ۳، ۲۴، ۸۱۔ جلد چہارم، یس، حواشی ۲۹، ۳۲، المؤمن، حواشی ۹، ۱۰، ۹۱۔ الزخرف حاشیہ ۷۔ الحج، حاشیہ ۷۔ حاشیہ ۱۸)۔

یعنی اس زمین پر چلتے پھرتے اور خدا کا سختی ہو رزق کھاتے ہوئے اس بات کو نہ بھولو کہ آخر کار تمہیں ایک دن خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔

۱۵۲۵ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں رہتا ہے بلکہ یہ بات اس لحاظ سے فرمائی گئی ہے کہ انسان فطری طور پر جب خدا سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ دعا مانگتا ہے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔ کسی آفت کے موقع پر سب مہاروں سے مایوس ہوتا ہے تو آسمان کا رخ کر کے خدا سے فریاد کرتا ہے۔ کوئی ناگہانی بلا آ پڑتی ہے تو کہتا ہے یہ اوپر سے نازل ہوئی ہے۔ غیر معمولی طور پر حاصل ہونے والی چیز کے متعلق کہتا ہے یہ عالم بالا سے

میں دھنساوے اور یکا یک یہ زمین جھکولے کھانے لگے؟ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ یہی ہوتی ہے۔ ان سے پہلے گزریے ہوئے لوگ جھٹلا چکے ہیں۔ پھر دیکھ لو کہ میری گرفت کسی سخت تھلی۔ کیا یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پھیلانے اور سیکڑتے نہیں دیکھتے۔ رحمن کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو۔ وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔

آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو کتب سماوی یا کتب آسمانی کہا جاتا ہے۔ الوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص ایک کالی لونڈی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے، کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر سکتا ہوں؟ حضورؐ نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے اچھلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا اور میں کون ہوں؟ اس نے پہلے آپ کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا یہ مطلب واضح ہو رہا تھا کہ آپ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: اسے آزاد کر دو، یہ مومن ہے۔ (اسی سے ملتا جلتا قصہ موطا، مسلم اور نسائی میں بھی روایت ہوا ہے) حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے متعلق حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا: یہ وہ خاتون ہیں جن کی شکایت سات آسمانوں پر سنی گئی تفسیر سورہ مجادلہ، حاشیہ ۲ میں ہم اس کی تفصیل نقل کر چکے ہیں، ان ساری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات کچھ انسان کی فطرت ہی میں ہے کہ وہ جب خدا کا تصور کرتا ہے تو اس کا ذہن سچے زمین کی طرف نہیں بلکہ اوپر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ اسی بات کو ملحوظ رکھ کر یہاں اللہ تعالیٰ کے متعلق مَن فِي السَّمَاءِ (وہ جو آسمان میں ہے) کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس میں اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مقیم قرار دیتا ہے۔ بیشبہ آخر کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ اسی سورہ ملک کے آغاز میں فرمایا جا چکا ہے کہ اَلَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا (جس نے تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کئے) اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے فَآيُنَا تُرَاوُفًا فَنُؤَفُّوهُ وَجْهَ اللّٰهِ رِيسٍ مُّجِدِّهِمْ هُوَ الَّذِي خَلَقَ النَّارَ مِنْ طِينٍ حُمْرٍ مَّحْمُورَةٍ۔

۵۲۶ مراد یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ اس زمین پر تمہارا بقا اور تمہاری سلامتی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ انے بل بوتے پر تم یہاں مرنے سے نہیں دندنارہے ہو۔ تمہاری زندگی کا ایک ایک لمحہ جو یہاں گزر رہا ہے اللہ کی حفاظت اور نگہبانی کا زمین منت ہے۔ ورنہ کسی وقت بھی اس کے ایک اشارے سے ایک زلزلہ ایسا آ سکتا ہے کہ یہی زمین تمہارے لئے آنکھیں مادر کے بجائے قبر کا گڑھا بن جائے، یا ہوا کا ایسا طوفان آ سکتا ہے جو تمہاری بستیاں کو غارت کر کے رکھ دے

۵۲۷ تنبیہ سے مراد وہ تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے ذریعے سے کفار مکہ کو کی جا رہی تھی کہ اگر کفر و شرک سے باز نہ آؤ گے اور اس دعوتِ توحید کو نہ مانو گے جو تمہیں دی جا رہی ہے تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے

۵۲۸ ازلہ سے ان قوموں کی طرف جو اپنے یہاں آنے والے انبیاء کو جھٹلا کر اس سے پہلے بتلائے عذاب ہو چکی تھیں۔

۵۲۹ یعنی ایک ایک پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا ہے، خدا کے رحمن کی حفاظت میں اڑ رہا ہے۔ اسی نے ہر پرندے کو وہ سخت عطا فرمائی جس سے وہ اڑنے کے قابل ہوا۔ اس نے ہر پرندے کو اڑنے کا طریقہ سکھایا۔ اسی نے ہوا کو ان قوانین کا پابند کیا جن کی بدولت ہوا سے زیادہ بھاری جسم رکھنے والی چیزوں کا اُس میں اڑنا ممکن ہوا، اور وہی ہوا اڑنے والے کو فضائیں تھامے ہوئے ہے ورنہ جس وقت بھی اللہ اپنی حفاظت اُس سے ہٹائے، وہ زمین پر آ رہے۔

۵۳۰ یعنی کچھ پرندوں ہی پر توفیق نہیں، جو چیز بھی دنیا میں موجود ہے اللہ کی نگہبانی کی بدولت موجود ہے۔ وہی

بتاؤ آخر وہ کونسا لشکر تھا رہے پاس ہے جو رحمان کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ منکرین دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ یا پھر بتاؤ کون ہے جو تمہیں رزق دے سکتا ہے اگر رحمان اپنا رزق روک لے؟ دراصل یہ لوگ ہر کشتی اور حق سے گریز پر اڑے ہوئے ہیں۔ بھلا سوچو جو شخص مُنہ آوندھا ہے چل رہا ہو وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا وہ جو سر اٹھائے سیدھا ایک ہموار سڑک پر چل رہا ہو؟ ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیتے، مگر تم کم ہی شکر ادا کیے ہو۔

ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم سیٹے جاؤ گے۔ یہ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟" کہو "اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے، میں تو بس صاف صاف ہر لمحے کے لئے وہ اسباب فراہم کر رہا ہے جو اس کے وجود کے لئے درکار ہیں اور وہی اس بات کی نگرانی کر رہا ہے کہ اسکی پیدا کردہ ہر مخلوق کو اس کی ضروریات بہم پہنچیں۔"

۱۳۱ دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "رحمان کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بنا ہوا تمہاری دستگیری کرتا ہو؟ ہم نے تم میں جو ترجمہ کیا ہے وہ آگے کے فقرے سے مناسبت رکھتا ہے اور اس دوسرے ترجمے کی مناسبت اوپر کے سلسلہ کلام سے ہے۔"

۱۳۲ یعنی جانوروں کی طرح منہ نیچا کئے ہوئے اسی ڈگر پر چلا جا رہا ہو جس پر کسی نے اسے ڈال دیا ہو۔

۱۳۳ یعنی اللہ نے تو تمہیں انسان بنایا تھا جانور نہیں بنایا تھا۔ تمہارا کام یہ نہیں تھا کہ جو گمراہی بھی دنیا میں پھیلی ہوئی ہو اس کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل پڑو اور کچھ نہ سوچو کہ جس راہ پر تم جا رہے ہو وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ یہ کان نہیں اس لئے تو نہیں دیتے گئے تھے کہ جو شخص نہیں صحیح اور غلط کا فرق سمجھنے کی کوشش کرے اس کی بات سن کر نہ دو اور جو غلط سلط یا بس بیلے سے تمہارے دماغ میں بیٹھی ہوئی ہیں اُنھی پر اڑے رہو۔ یہ آنکھیں تمہیں اس لئے تو نہیں دی گئی تھیں کہ اندر سے بن کر دوسروں کی پیروی کرتے رہو اور خود اپنی بنیائی سے کام لے کر یہ نہ دیکھو کہ زمین سے آسمان تک ہر طرف جو نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ آیا اس توحید کی شہادت دے رہی ہیں جسے خدا کا رسول پیش کر رہا ہے یا یہ شہادت دے رہی ہیں کہ یہ سارا نظام کائنات بے خدا ہے یا بہت سے خدا اس کو چلا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ دل و دماغ بھی تمہیں اس لئے نہیں دیتے گئے تھے کہ تم سوچنے سمجھنے کا کام دوسروں کے حوالے کر کے ہر اس طریقے کی پیروی کرنے لگو جو دنیا میں کسی نے جاری کر دیا ہے اور اپنی عقل سے کام لیکر یہ سوچنے کی کوئی نہ حرمت گو اور نہ کہو کہ وہ غلط ہے یا صحیح۔ اللہ نے علم و عقل اور سماعت و بینائی کی نعمتیں تمہیں حق شناسی کے لئے دی تھیں۔ تم ناشکر کی کر رہے ہو کہ ان سے اور سارے کام تو لیتے ہو مگر بس وہی ایک کام نہیں لیتے جس کیلئے یہ دی گئی تھیں (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، اٹھل، حواشی ۲۶-۲۳، جلد سوم، المؤمنون، حواشی ۲۵-۲۶، جلد چہارم، السجہ، حواشی ۱-۱۸، الاحقاف، حاشیہ ۳۱)۔

۱۳۴ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے ہر گوشہ زمین گھیرائے جاؤ گے اور اس کے سامنے حاضر کر دیتے جاؤ گے۔

۱۳۵ یہ سوال اس غرض کے لئے نہ تھا کہ وہ قیامت کا وقت اور اس کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے تھے اور اس بات کے لئے تیار تھے کہ اگر انھیں اس کی آمد کا سال، مہینہ، دن اور وقت بتا دیا جائے تو وہ اسے مان لیں گے۔ بلکہ دراصل وہ اس کے آنے کو

خبردار کر دینے والا ہوں۔ پھر جب یہ اس چیز کو قریب دیکھ لیں تو ان سب لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے جنہوں نے انکار کیا ہے اور اُس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ چیز جس کے لئے تم تقاضے کر رہے تھے۔

ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ خواہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کرنے یا ہم پر رحم کرے، کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ ان سے کہو، وہ بڑا رحیم ہے، اسی پر ہم ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ عقریب تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ صیح گمراہی میں پڑا ہوا کون ہے۔ ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تمہارے کنوؤں کا پانی زمین میں اتر جائے تو کھن ہے جو اس پانی کی بہتی ہوئی سوتیں تمہیں نکال کر لادے گا؟

غیر ممکن اور بعید از عقل سمجھتے تھے اور یہ سوال اس غرض کے لئے کرتے تھے کہ اُسے چھٹلانے کا ایک بہانہ ان کے ہاتھ آئے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ حشر و نشر کا یہ عجیب و غریب افسانہ جو تم ہمیں سنا ہے، ہو آخر یک ناپور میں آئیگا؟ اسے کس وقت کیلئے اُٹھا رکھا گیا ہے؟ ہماری آنکھوں کے سامنے لاکر اسے دکھائیوں نہیں دیتے کہ ہمیں اس کا یقین آجائے؟ اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کوئی شخص اگر قیامت کا قائل ہو سکتا ہے تو عقلی دلائل سے ہو سکتا ہے اور قرآن میں جگہ جگہ وہ دلائل تفصیل کیساتھ دیدئے گئے ہیں۔ وہی اُسکی تاریخ، تو قیامت کی بخت میں اُس کا سوال اٹھانا ایک جاہل آدمی ہی کا کام ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض وہ بتا بھی دی جائے تو اس کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہ ماننے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب وہ تمہاری بتائی ہوئی تاریخ پر آجائیں تو مان لوں گا، آج آخر میں کیسے یقین کر لوں کہ وہ اُس روز ضرور آجائیں گی۔ (مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، لقمان، حاشیہ ۶۳۔ الاحزاب، حاشیہ ۱۱۶۔ سبأ، حاشیہ ۵۔ ایشیاء، ۲۸۔ یس، حاشیہ ۲۵)۔

یعنی یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ ضرور آئیں گی اور لوگوں کو اُسکی آمد سے پہلے خبردار کر دینے کیلئے یہی جاننا کافی ہے۔ وہی یہ بات کہ وہ کب آئیں گی تو اس کا علم اللہ کو ہے مجھے نہیں ہے۔ اور خبردار کرنے کیلئے اس علم کی کوئی حاجت نہیں۔ اس معاملے کو ایک مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ بات کہ کون شخص کب مرے گا اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ ہر شخص کو ایک دن مرنا ہے۔ ہمارا یہ علم اس بات کیلئے کافی ہے کہ ہم اپنے کسی غیر محتاط دوست کو تین تینہ کریں کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے مفاد کی حفاظت کا انتظام کر لے۔ اس تینہ کیلئے یہ جاننا ضروری نہیں کہ وہ کس روز مرے گا۔

یعنی ان کا وہی حال ہوگا جو چھانسی کے تھکے کی طرف لے جائے جانے والے کسی مجرم کا ہوتا ہے۔

۵۳۸ مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز ہوا اور قریش کے مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تو گھر گھر ہنوز اور آپ کے ساتھیوں کو بددعا میں دی جا رہی تھیں، جادو ٹونے کئے جانے لگے تاکہ آپ ہلاک ہو جائیں۔ حتیٰ کہ قتل کے منصوبے بھی سوچے جانے لگے۔ اس پر یہ فرمایا گیا کہ ان سے کہو، خواہ تم ہلاک ہوں، یا خدا کے فضل سے زندہ رہیں، اس سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ تم اپنی فکر کرو کہ خدا کے عذاب سے تم کیسے بچو گے۔

۵۳۹ یعنی تم خدا پر ایمان لائے ہو اور تم اس سے انکار کر رہے ہو، ہمارا بھروسہ خدا پر ہے اور تمہارا اپنے تھیوں اور اپنے رسائل اور اپنے معبودان غیر اللہ پر۔ اس لئے خدا کی رحمت کے مستحق تم ہو سکتے ہیں نہ کہ تم۔

۵۴۰ یعنی کیا خدا کے سوا کسی میں یہ طاقت ہے کہ ان سوتوں کو پھر سے جاری کر دے؟ اگر نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ نہیں ہے تو پھر عبادت کا مستحق خدا ہے یا تمہارے وہ معبود جو انہیں جاری کرنے کی کوئی قدرت نہیں رکھتے؟ اس کے بعد تم خود اپنے ضمیر سے پوچھو کہ گمراہ خدا سے واحد کو ماننے والے ہیں یا وہ جو شرک کر رہے ہیں؟

(مسل)

بتجلی صحیح مسلم

کتاب الایمان

مستعمل ہونا قرآن کی بنیادوں پر ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا۔

وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (دور بھلائی کر دے شک
الشربند کرتا ہے بھلائی کرنے والوں کو (دورہ ۱۹۵)

سورہ مائدہ آیت ۹۳ میں فرمایا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَحْسِنُوا | پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی۔

سورہ یونس آیت ۲۶ میں ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَحْسِنُوا | جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے
دُورِ يَادَا | بھلائی ہے اور کچھ زیادہ بھی۔

سورہ الرحمن آیت ۶۰ میں ارشاد ہوا۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ | بھلائی کا بدلہ کچھ نہیں سوائے
إِلَّا الْإِحْسَانِ | بھلائی کے۔

اور بہت سی آیات ہیں جن میں یہ لفظ اسم و فعل

دونوں شکلوں میں استعمال ہوا ہے۔ اصطلاح دینی کے

اعتبار سے اس کا مفہوم مجرد بھلائی کرنا نہیں ہوتا بلکہ

جب کسی کا رخصتہ کو بظاہر کامل طور پر عمارت طریقے سے

انجام دیدیا جائے اس وقت "احسان" کا اطلاق ہوتا

ہے۔ محاورہ یوں کہتے کہ کسی نیکی کا پورا حق ادا کرنے کو

"احسان" کہتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھی جائے اس کے تمام

فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کی سبھا آوری

کے ساتھ تو اس کا نام "احسان" ہے۔

حضور نے جبریل کو جو جواب عطا فرمایا اس میں

دو حالتوں کی طرف اشارہ پایا گیا۔ ایک یہ کہ بندے پر

احسان کیسے ہے؟

تقدیر کے مسئلے سے بقدر ضرورت فارغ ہو کر اب
"احسان" کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ مناسب یہ تھا
کہ فارغین اس موقع پر مٹی شیعہ کا تجلی کھول کر پوری
حدیث ایک بار پھر پڑھ لیں۔ ہم وہاں تھوڑی سی وحی
احسان کی بھی کر آئے ہیں۔

جبریل نے حضور سے دریافت کیا تھا۔

"اخیر فی عن الاحسان رجبے بتائے

احسان کیا ہے؟"

حضور نے اس کا جواب دیا تھا۔

"احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو

گو یا اس کو دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اسے نہیں

دیکھ سکتے تو وہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے۔"

احسان کا مادہ حسن ہے جس کے معنی معروف ہیں۔

نوبھورتی۔ جمال و دلکشی۔ حسن کی جمع خلاف قیاس طور پر

محاسن آتی ہے۔ صفت حسن۔ حسین۔ حاسن۔

احسان کے دو معنی ہیں۔ بھلائی کرنا اور کسی کام کو

اچھی طرح سے کرنا۔ ہم جب کسی کام کو عمدگی اور مضبوطی کے

ساتھ انجام دیدیں تو کہیں گے احسننت کذا۔ اور جب

اپنے کسی اچھے کام سے دوسرے کو نفع پہنچادیں تو کہیں گے

کہ احسننت الی فلان۔

لفظ احسان کا دین کی ایک خاص اصطلاح کی حیثیت

مشاہدہ حق کی کیفیات کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ ہر طرف باری تعالیٰ ہی کی تجلیات نظر آنے لگیں اور جملہ ماسوا حتیٰ کہ اپنی ذات بھی ان تجلیات کے ہجوم میں گم ہو جائے۔ دل دماغ کی پہنائیوں پر انوار الہی کی ردائے بسیط اس طرح پھیل جائے کہ دوسرا ہر نقش اس کے پیچھے چھپ جائے۔ ہر ہر ذرے میں ذات حق کی جلوہ طرازی نقطہ ایک علمی نظریہ اور روایتی عقیدہ نہ رہے بلکہ مشاہدے اور مکاشفے کے درجے میں آجائے۔ اس وقت بندہ اس کیفیت میں ہو گا گویا باری تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کے احاطے اور ہجوم نے بعض اہل اللہ کی زبان سے "انا الحق" جیسے مغالطہ آئندہ الفاظ کہلا دیئے اور قانون شریعت کو ان کے خلاف حرکت میں آنا پڑا۔ قانون بھی اپنی جگہ حق بجانب تھا اور یہ حضرات بھی باطل پر نہیں تھے مگر اقتاد یہ پڑی کہ ان حضرات کے اعصاب فکری اور اور قوائے ذہن اس طاقت و کیفیت کا ایسا تحمل نہیں کر سکے جس سے داخلی مشاہدے اور قانون شریعی میں ہم آہنگی قائم رہتی اور وہ تصادم ظہور میں نہ آتا جس کے نتیجے میں قانون کے دیدہ ظاہر نے انھیں مجرم قرار دیا۔

بہر حال یہ سجت الگ ہے۔ استغرافی کیفیات کا کچھ نہ کچھ تجربہ تو کم و بیش ہر شخص رکھتا ہے۔ آپ کسی گہری سوچ میں غلے جا رہے ہیں۔ آپ کا دوست بکر پاس سے گزرا گیا مگر آپ کو خبر بھی نہ ہوئی۔ حالانکہ اس کے جسم اور آپ کی آنکھوں کے درمیان کوئی دیوار حاصل نہ تھی۔ لیکن آپ کی استغرافی کیفیت حجاب بن گئی۔

کچھ ایسی ہی نوعیت تصور حق اور خیال باری میں مستغرق ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے کہ خارج میں پائی جانے والی مادّی اشکال اور حسی اشیاء نظروں سے اوجھل نہ ہونے کے باوجود اوجھل ہو جاتی ہیں۔ جیسے ایک آئینے کے پیچھے سے تیز روشنی آرہی ہے۔ آئینہ اس صورت میں غائب تو نہیں ہوتا۔ اس کے مدغم سے خطوط سامنے ہی رہتے ہیں لیکن نظریں تمام تر روشنی پر مرکوز ہو جاتی ہیں اور آئینے

کا وجود نہ ہونے کے درجے میں آجاتا ہے۔ غرق تصور بندے کے سامنے ایک ہی جلوہ ہوتا ہے تعینات سے بے نیاز۔ بسیط و سبکراں۔ محیط اور ہمہ گیر۔ مادّی اجسام کی ذہنی تصویبیں آئینے جیسی شفاف ہیئت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی وہ عالم ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ بندہ اللہ کو گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ احسان کی ارفع و اعلیٰ شکل ہے بشرطیکہ قوائے باطنی اسے برداشت کر سکیں اور ایسی بے خودی پیدا نہ ہو کہ شرعی حدود کا بھی لحاظ باقی نہ رہے۔

دوسری حالت جس کی طرف حضور کے جواب میں اشارہ ہے یہ ہے کہ بندے کو ہر وقت یہ مستحضر ہے کہ جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے اور کرے گا سب اللہ تعالیٰ مطلع ہے۔ خوب خوب آگاہ ہے۔ نہ صرف ظاہر کو بلکہ باطن کو بھی آخری تہوں تک دیکھ رہا ہے۔ نیتوں اور خیالوں اور وسوسوں اور واہموں تک پر اس کی نظر ہے۔ لہذا کسی کسی بھی نافرمانی اور کوتاہی کو اس سے پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ کسی بھی غفلت اور تساہل کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ نہ کوئی نیکی ایسی ہے جو اس کی نظر میں آنے سے رہ جائے اور ثواب کی امید منقطع ہو جائے۔

یہ دونوں ہی حالتیں اللہ کی معرفت اور اس کے خوف میں اضافہ کرنے والی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں بطور تعبیر یہ الفاظ موجود ہیں کہ "ان تجشئی اللہ کا تک توراہ" (یہ کہ تو ڈرے اللہ سے اس طرح جیسے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے پارہا ہے) اگر مثل ہم نماز میں گھڑے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں حضور کی کا ایسا زندہ احساس ہمارے اندر موجود ہے کہ گویا اسے سامنے پارہے ہیں تو ہم اپنے امکان بھر نماز کو عمدگی کے ساتھ ادا کریں گے اور دانستہ کسی خامی یا سستی کو راہ نہیں پانے دیں گے لیکن اگر احساس اس نوع کا نہ ہو اور بس اتنا ہی ہمیں استحضار رہے کہ باری تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں تب بھی ہمارا رویہ پہلی